خدا کی غیب پر بلا شرکتِ غیر کامل راج دہانی ہے
غیب کی عبادت کرو گے تو تمہیں توحید کے معنی سمجھ آئیں گے

(خطبہ جمعہ فرمودہ 12 رمئی 1995ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے درج ذیل آیت کریمہ تلاوت کی۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِىۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ‌ۚ عٰلِمُ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ‌ۚ هُوَ الرَّحۡمٰنُ الرَّحِيۡمُ ۝۲۳ (الحشر: 23)

پھر فرمایا:۔

صفاتِ باری تعالیٰ کا جو مضمون شروع ہے یہ بعض پہلوؤں سے آسان ہے، بعض پہلوؤں سے مشکل اور جو مشکل پہلو ہیں ان کی دراصل انتہاء کوئی نہیں وہ لامتناہی سلسلہ ہے۔ مثلاً صفتِ ربوبیت کو لیں ہر چیز جو کائنات میں کسی نہ کسی ذریعے سے زندہ رہ رہی ہے وہ اول طور پر صفت ربوبیت کا مظہر بھی ہے اور اس کی واقف بھی ہے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ کیڑا، زندگی کی ادنیٰ قسم کو لیجئے اس کا رب سے واسطہ ہے لیکن وہ چیز اس واسطے سے جو رب کو سمجھ رہی ہے، رب وہاں ختم تو نہیں ہو جاتا۔ رب تو اس پہلو سے شروع ہوتا ہے بلکہ اس سے آگے بھی شروع ہے اور اس کو یہ بھی نہیں پتا کہ مجھ سے ادنیٰ کون سے حالتیں ہیں جو ربوبیت کی محتاج ہیں اور پھر جوں جوں آگے ترقی ہوتی چلی جاتی ہے ربوبیت زیادہ شان کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے۔ مادی دنیا میں بھی ربوبیت کا یہی منظر ہے روحانی دنیا میں بھی یہی مظہر ہے اور وہ خدا جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ربوبیت سے جلوہ گر ہوا جس

نے یہ فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ تمام تر تعریف کو ربوبیت کے ساتھ اکٹھا کر دیا اور تمام جہانوں کا رب قرار دے کر تمام تعریف کو اکٹھا کیا۔

اب اس پہلو سے صرف اَلْحَمْدُ کے ربوبیت کے تعلق کو ہی آپ دیکھیں تو ایک لامتناہی مضمون ہے جو سلسلہ ختم ہونے میں نہیں آئے گا۔ اس لحاظ سے آسان بھی ہے اور مشکل بھی ہے اور جب میں وقت کی کمی کے خیال سے تیز گزرنے کی کوشش کرتا ہوں تو لوگوں کی طرف سے، اچھے بھلے علماء کی طرف سے بھی یہ خط ملتے ہیں کہ آپ کا مضمون کچھ تو دماغ میں سے گزرا کچھ سر کے اوپر سے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم Concentrate نہیں کر سکے اپنے آپ کو پوری طرح۔ یعنی غور کرتے کرتے کسی پہلو میں اٹکے ہیں تو دوسرا پہلو گزر گیا۔ اس لئے آہستہ بیان کریں۔ اب اگر آہستہ بیان کیا جائے تو پھر یہ ساری عمر ایک ہی سلسلہ جاری رہے گا اور ضرورت کی باتیں جو وقتاً فوقتاً پیش آتی ہیں ان سے کلیۃً صرف نظر کرنا ہوگا اس لئے کوشش کر رہا ہوں ذہنی طور پر کوئی ایسی ترتیب دے لوں کہ کچھ نمونے آپ کے سامنے رکھ دوں اور باقی انہی نمونوں پر غور کر کے آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے علم چاہیں اور خود ہی یہ سفر طے کرنا شروع کریں۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ کی بات ہو رہی تھی۔ اب آپ دیکھیں کہ قرآن کریم میں لفظ غیب، 49 دفعہ استعمال ہوا ہے اور قرآن کریم کا یہ اسلوب ہے کہ اگر چہ ایک ہی لفظ بار بار استعمال ہو رہا ہے مگر کسی نہ کسی پہلو سے کوئی نیا جلوہ دکھاتا ہے، کوئی نیا رنگ رکھتا ہے اور اس تعلق سے کبھی خدا تعالیٰ کے اسماء پر انسان کو غور کرنے کا موقع ملتا ہے، کبھی مخلوقات کے اوپر غور کرنے کا اور ان کی بے بسی کا تصور باندھنے کا موقع ملتا ہے اور چار دفعہ غیوب کا لفظ استعمال ہوا ہے جمع میں علام الغیوب اور جہاں غیب کا ہے وہاں عموماً عٰلِمُ الْغَيْبِ ہے جہاں غیوب کا ہے وہاں ''علام الغیوب'' ہے یعنی غیب زیادہ ہیں تو علم بھی بہت زیادہ چاہئے اور مبالغہ کی صفت استعمال ہوئی ہے غیر معمولی غیب کا علم رکھنے والا ہے اور غیب ایک نہیں ہے کئی غیب ہیں۔

اب یہی مضمون آپ دیکھ لیں غیب ایک نہیں ہے کئی ہیں۔ اس پر غور کریں تو عقل ورطۂ حیرت میں ڈوب جاتی ہے اور غیب کا سفر ہمارے علم کے مطابق اپنے تصور میں طے ہو ہی نہیں سکتا، ناممکن ہے کیونکہ ہر غیب کے پیچھے ایک اور غیب ابھرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اس میں آپ جہات کی بات سوچ

لیں۔ہم شش جہات کی بات کرتے ہیں دراصل وہ تین جہات ہیں اوپر کو ایک جہت کہتے ہیں نیچے کو ایک جہت۔تین جہات ہیں اور چوتھی جہت وقت کی ہے تو چار جہات کے اندر ہم محدود ہیں۔چار جہات سے باہر کا تصور حساب دان کرتے ہیں۔حسابی رو سے اگر Two Dimensional World ہوتو کیا ہوگا Five Dimensional ہوتو کیا ہوگا اور یہاں تک تو بہر حال ان کا غور اور تدبر انہیں پہنچا چکا ہے یا اس کا تصور باندھ سکتے ہیں کہ اس کائنات میں اسی وقت اور اسی Space، اسی مکانیت میں ایسے بھی جہان ہو سکتے ہیں جن کی Dimensions مختلف ہوں اور ان کا ہم سے کوئی دور کا بھی تعلق نہ ہو ایک ہی جگہ رہتے ہوئے۔

اب اسی پر غور کریں تو آپ کو حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی حقانیت پر کامل یقین پیدا ہوتا ہے، ادنیٰ بھی آپؐ کی حقانیت پر شبہ باقی نہیں رہتا۔اس زمانے میں جبکہ وقت کا مکان کا تصور بالکل اور تھا، اس زمانے میں آپ پر قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی کہ جنت ایسی چیز ہے عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ (آل عمران:134) کہ اس کا دائرہ زمین و آسمان پر پھیلا پڑا ہے۔کوئی چیز بھی جسے آپ کائنات کہتے ہیں وہ جنت کے دائرے سے باہر نہیں ہے۔اب یہ سوال کہ جنت کا دائرہ زمین و آسمان پر محیط ہے صحابہؓ سمجھ نہیں سکے اور ایک صحابیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ پھر جہنم کہاں ہوگی؟ آپؐ نے فرمایا وہیں، لیکن تم شعور نہیں رکھتے۔تو جس خدا نے آنحضرت ﷺ کو یہ Dimensions کا شعور اس وقت عطا کیا تھا جبکہ تمام عالم کی عقل کُل ہی اس شعور کے قدموں تک بھی نہیں پہنچ سکی تھی حیرت انگیز بات ہے۔عرب کا ایک ان پڑھ انسان جس کی ساری قوم اُمّی کہلا رہی تھی اس میں سے ایک شخص اٹھتا ہے اور اس پر ایسا کلام نازل ہوتا ہے جو اسے غیب کی خبریں دیتا ہے اور غیب کی خبروں کی حکمتوں سے آگاہ فرماتا ہے اور کئی قسم کے غیب اس خبر میں موجود ہیں، یہ ایسی خبر دی گئی ہے جس سے آپؐ کے زمانے کے تمام انسان غیب میں تھے یا یہ خبر ان سے پردہ غیب میں تھی اور آپؐ کو عطا کی گئی اور جس چیز کی خبر عطا کی گئی وہ غیب در غیب کی خبر ہے کہ تم جس دنیا کو سمجھتے ہو، ہم جانتے ہیں اس میں سے اکثر کو تو جانتے ہی نہیں لیکن اس کا جو عمومی تصور باندھتے ہو اس سے بھی پرے اور چیزیں ہیں۔

تو ''علام الغیوب'' کا جو لفظ ہے اس نے بتایا کہ غیبوں کے بھی جہان ہیں۔ایک کے بعد

دوسرا جہان بھی ابھرتا چلا جاتا ہے تو سوچ کی کوئی آخری حد ہی باقی نہیں رہتی۔اب یہ مضمون کوئی سمجھے گا کہ شاید علمی چسکے کی باتیں ہیں، بالکل غلط بات ہے۔ یہ وہ مضمون ہے جس کا مذہب کی حقیقت سے بنیادی تعلق ہے اور جسے سمجھے بغیر مذہب کی غرض وغایت پوری ہو ہی نہیں سکتی یعنی کچھ نہ کچھ حصہ ہم پاسکتے ہیں جیسے ایک کیڑا اپنے رب کو جانتا ہے لیکن جس مقام پر ہمارا شعور پہنچایا گیا ہے ہمارے لئے جو ربوبیت کی مختلف جہتیں کھول دی گئی ہیں۔ان پر غور نہ کرنا تو نسبتی لحاظ سے کیڑا بنے رہنے کی مترادف ہے اور جو لوگ پھر کیڑا بنتے ہیں ان کا ذہن پھر کیڑوں والا ہونا شروع ہو جاتا ہے ان کو رزق سے صرف اتنی نسبت ہے کہ کھایا پیٹ بھرا اور سو گئے اور یا دنیا کے عیشوں میں مبتلا ہوئے اور وہ ہاتھ جس نے رزق دیا ہے اس ہاتھ کی لمس تک کو نہیں پہچان سکتے۔

تو اس لئے جو صفات باری تعالیٰ کا مضمون ہے یہ کوئی محض علمی نخرہ نہیں ہے، یہ حقیقت میں خدا سے تعلق باندھنے کے لئے انتہائی ضروری ہے۔جس عظمت کا خدا حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ پر ظاہر ہوا وہ آپ تک محدود رہنے کی خاطر ظاہر نہیں ہوا بلکہ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء:108) کا مطلب ہے اس خدا کے جلوے تمام جہانوں کے لئے میسر فرما دیئے گئے، کسی جہان کے لئے بھی کوئی کنجوسی نہیں کی گئی، کسی قسم کی چیز روک نہیں رکھی گئی، کل عالم کے لئے دعوت عام دے دی گئی، یہ خدا جلوہ گر ہوا ہے آؤ اور اس کو دیکھو۔تو اس پر غور کئے بغیر، اس کی صفات کا سفر کئے بغیر کیسے خدا اپنی پوری شان کے ساتھ نہیں تو کچھ نہ کچھ اس شان کے نمونے کے طور پر ظاہر ہو سکتا ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ پر ظاہر فرمائی گئی اور حقیقت میں ہم اس دنیا میں صفات باری تعالیٰ میں جتنا سفر کرتے ہیں ویسی ہی اپنے لئے جنت بناتے ہیں۔جنتیں بھی بے شمار ہیں اور غیب میں ہیں۔جنتوں میں بھی بہت سے غیوب ہیں اور جنت نام ہے صفات باری تعالیٰ کا، اس کے سوا کوئی جنت نہیں ہے۔

"ہماری اعلیٰ لذات ہمارے خدا میں ہیں" (کشتی نوح صفحہ:۲۱)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے جب یہ فرمایا تو اس میں بہت گہرے علوم بیان فرما دیئے گئے اور فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ۝ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ (الفجر:30 تا 31)۔اس میں بھی جو میری جنت فرمایا گیا ہے وہ دراصل جنت کی وہ اعلیٰ تر صورت کا نام ہے جو خالصۃً صفاتِ باری تعالیٰ سے بنتی ہے اس میں دوسرے کی خواہش کا کوئی دخل نہیں۔رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً (الفجر:29) ہو کر داخل ہو۔کس

میں؟ میری جنت میں اور یہاں وہ جنت نہیں ہے جس میں فرمایا مِمَّا يَشْتَهُوْنَ (المرسلات:43) ان کو وہ چیزیں بھی ملیں گی جن کی وہ اشتہاء کرتے ہیں۔اشتہاء اس کے سوا ہے ہی کوئی نہیں کہ مرضیہ رہیں۔راضی رہیں اس بات پر جس پر خدا راضی ہے۔اس کے بعد اپنی خواہش کہاں باقی رہی کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔تو اس لئے اس مضمون کو اگر ٹھہر ٹھہر کر کھول کھول کر بیان کیا جائے تو ایک ہی چھوٹی سی شاخ پر کھڑے ہو کر ایک لمبا زندگی کا وقت اور اس کا سفر طے کیا جا سکتا ہے لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے یہ بہر حال کچھ نمونے ہیں جو دینے ہوں گے تا کہ ان رستوں پر چل کر آپ غور کریں اور صفات باری تعالیٰ کو کوئی آسمانی ایسا مضمون نہ سمجھیں جو اوپر ہے۔وہ ایسا مضمون ہے جو زمین پر اترتا ہے اور انبیاء کے ذریعے اترتا ہے۔

حضرت مسیح نے جو دعا مانگی تھی کہ اے خدا جو آسمان پر ہے زمین پر بھی اتر۔وہ حقیقت میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات میں پوری ہوئی ہے۔آپ کے جلوے کے ساتھ پوری ہوئی ہے۔وہ جو آسمان پر خدا تھا گویا زمین پر اتر آیا اور وہ صفات سے اترتا ہے۔وہ کوئی جسمانی سفر طے کر کے تو نہیں آتا،کوئی وقت لگا کر تو نہیں پہنچتا وہ صفات کے ساتھ اترتا ہے۔پس جو اترا ہو اس کو دیکھ نہ سکیں،دیکھیں تو اس کو سمجھ نہ سکیں اور اس پر غور کرنے کی توجہ پیدا نہ ہو یہ اندھی زندگی ہے اور اندھی زندگی کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (بنی اسرائیل:73) کہ جو اس دنیا میں اندھا رہا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا اٹھے گا۔مومن تو اندھا نہیں ہوتا مگر مومن کی دیکھنے کی طاقتوں میں فرق ہے اور روز بروز عرفان کے ساتھ وہ فرق بڑھتا چلا جاتا ہے۔جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے جو کافر ہے وہ تو کھاتا ہے اللہ کی دین اور ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں سوچتا کہ دینے والا ہاتھ کون سا ہے۔مومن اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہہ کر،شکر کر کے روٹی کھا لیتا ہے اور ایک تعلق ربوبیت سے قائم کر لیتا ہے جو باشعور تعلق ہے لیکن وہ روٹی کیسے آئی،ربوبیت کیا معنے رکھتی ہے۔اس کی تفاصیل،اس کی کیفیات نہاں در نہاں،اصل جنت تو وہاں سے شروع ہوتی ہے تو دروازے پر کھڑے ہو جانا اور جنت میں داخل نہ ہونا یہ تو بڑے نقصان کا سودا ہے۔

پس اس پہلو سے اس مضمون کو جو میں شروع کر چکا ہوں اسے آپ کوئی ثانوی ذوقی مضمون نہ سمجھیں کہ اہل علم کی باتیں ہیں وہ سوچتے رہیں ہمیں تو سیدھا سادہ پیغام ملنا چاہئے۔سیدھا سادہ

پیغام یہی ہے کہ هُوَاللّٰهُ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۔اللہ ہی ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں کوئی ایسا لائق نہیں کہ اس کا کھوج لگایا جائے اس کے پیچھے چلا جائے اس کی اطاعت کی جائے اور وہ یہ ہے عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ پہلی بات ہی عٰلِمُ الْغَيْبِ سے شروع کی گئی اور غیب کے چکر میں ڈال کر ایک ایسا سفر شروع کرا دیا جس کی غیب کے تعلق ہی میں کوئی انتہا نہیں اور ایک ایسا نیا مضمون عطا فرمایا جو پہلے کبھی کسی مذہب کو عطا نہیں کیا گیا۔ جہاں تک میری تحقیق کا تعلق ہے مجھے ایک عرصہ پہلے اس بات کی جستجو ہوئی کہ دیکھوں غیب کا مضمون دوسرے مذاہب میں بھی ملتا ہے کہ نہیں تو کہیں نظر نہیں آیا۔ کم سے کم میری آنکھوں سے تو وہ غائب رہا۔ اگر کسی کو علم ہو کہ جس طرح قرآن کریم نے غیب کے مضمون کو اٹھایا ہے اور اس پر روشنی ڈالی ہے کسی اور مذہب میں یہ تصور موجود ہے تو دکھائے۔ یہ چیلنج نہیں ہے میں چاہتا ہوں کہ دیکھوں اگر ہے تو ضرور نسبتاً ادنیٰ حالت میں پایا جائے گا۔

اسلام نے جو غیب کا مضمون بیان فرمایا ہے یہ تو رفعتوں کی انتہا ہے اور پہلی بات جو انقلابی اس میں دکھائی دیتی ہے اس پر میں آپ کو غور کی دعوت دیتا ہوں وہ یہ ہے کہ توحید کے لئے حقیقت میں غیب پر ایمان لانا ازبس ضروری ہے کیونکہ اس سے پہلے جتنے بھی شرک کے مذاہب ہیں یا جو مذاہب میں شرک تبدیل ہوئے وہ اس وجہ سے تھا کہ وہ ظاہر جو چیز سامنے ہو اسی پر ایمان لا سکتے تھے۔ اس لئے ان کا ظاہر تھا جس پر وہ ایمان لاتے تھے اس ظاہر کا پیچھے ایک سایہ بنتا تھا جسے وہ سمجھتے تھے وہ غیب میں ہے لیکن اس پر ایمان نہیں لا سکتے تھے جب تک سامنے ظاہر طور پر بت دکھائی نہ دے۔ کوئی درخت، کوئی سورج، کوئی چاند، کوئی سمندر، کوئی طوفان یہ چیزیں ان کے لئے ظاہری عبادت کے لئے تھیں اور اس کے پردے میں وہ سوچتے تھے کہ کچھ اور بھی ہوگا اور اس کے سوا کچھ اور ان میں دکھائی نہ دیتا تھا۔ اس لئے اس کی صفات اس سے آگے کبھی نہیں بڑھ سکیں جتنی ظاہر کی صفات تھیں۔

اب اس پر آپ غور کر کے دیکھیں کہ جنہوں نے سورج کی پرستش کی ہے ان کی دیو مالائی کہانیاں پڑھ لیں ان میں سورج کی بھی تمام صفات کا بیان نہیں ہے سورج کی صرف چند صفات ان کو نظر آتی ہیں اور وہی ان کے دیوتا کی جلوہ گری ہے بس۔ تو ایمان ظاہر پر لائے ہیں غیب پر ایمان لائے ہی کوئی نہیں۔ خدا تعالیٰ نے پہلی دفعہ یہ نمایاں چیلنج کر کے انسان کے دماغ کو بیدار کیا ہے کہ غیب پر ایمان لاؤ گے تو پھر ظاہر کی سمجھ آئے گی ورنہ آئے گی ہی نہیں اور ذات باری تعالیٰ غیب ہے، غیب میں

ہے۔اب ان دو چیزوں میں بھی فرق ہے اللہ تعالیٰ کا نام غیب نہیں ہے۔اللہ کا نام حاضر بھی نہیں ہے یا ہوتو میرے علم میں نہیں۔حاضر ہونا تو ممکن ہے مگر غیب خدا کا نام نہیں ہے۔اللہ کا نام ظاہر ہے اور باطن ہے وہ ظاہر بھی ہوتا ہے اور باطن میں بھی ہے اور باطن کا مطلب ہے غیب کے پردوں میں۔

تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جہاں غیب کی تعریف بیان فرمائی وہاں اللہ کو غیب قرار نہیں دیا بلکہ یہ فرمایا ہے کہ عٰلِمُ الْغَیْبِ کا مطلب یہ ہے کہ اپنے ناموں کو، اپنی صفات کو اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا کیونکہ ہر غیب کا وہ واقف ہے اور اس کی صفات کا ایک بہت ہی عظیم حصہ جس کو ظاہر کے مقابل پر کوئی ایسی نسبت ہے جسے ہم سمجھ نہیں سکتے ، وہ غیب ہے خدا جس کا علم رکھتا ہے اور تمہیں اس پر ایمان لانے کی ہدایت کرتا ہے۔یہ ایمان کیوں ضروری ہے غیب پر ایمان لانا، اس کے متعلق قرآن کریم کی وہ آیات جن کا میں نے ذکر کیا ہے کہ انچاس آیات ہیں وہ لفظ غیب کے مضمون پر روشنی ڈالتی رہی ہیں مختلف پہلوؤں سے۔ان میں سے بعض ایسی آیات ہیں جن کا انسانوں سے بھی تعلق ہے اس لئے ان کو نکال بھی دیں تو اکثر وہ صفات ہیں جو خدا تعالیٰ کے علم غیب سے تعلق رکھتی ہیں۔یہ ضروری اس لئے ہے کہ فائدے بھی غیب میں مضمر ہیں اور خطرات بھی غیب میں مضمر ہیں۔

ایک آئس برگ جو سمندر میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے، برف کا تو دا بعض دفعہ ایک چھوٹا پہاڑ ہے جو ڈوبا ہوا ہے اس کا صرف 1/10 حصہ سمندر کی سطح سے باہر دکھائی دیتا ہے باقی نیچے ہے۔جن کو پتا نہ ہو وہ اس کو ایک معمولی چیز سمجھتے ہیں۔بعض دفعہ چھوٹا سا ٹکڑا باہر دکھائی دیتا ہے چھوٹی پہاڑی یا ٹیلہ سمجھ لیں ڈوبا ہوا ہے اور ایک پورا 9/10 حصہ اندر ہوتا ہے جو جہازوں کے پرخچے اڑا دیتا ہے۔جب ٹکر لگے تو بڑے بڑے جہاز اس سے غرق ہو جاتے ہیں۔بعض ایسے جہاز جن کے متعلق قوموں نے دعوے کئے تھے،خود انگلستان نے ایک ایسا جہاز بنایا تھا جس پہ دعویٰ تھا کہ آج تک اس سے زیادہ کامل جہاز کبھی نہیں بنایا گیا، پہلے سفر میں ہی آئس برگ سے ٹکرا کر ڈوب گیا کچھ بھی اس کا باقی نہ رہا۔تو وہ ذات جو چھپی ہوئی ہو، اس کے منفی پہلو، اس کی ایسی طرف ظاہر ہونا جو اس سے ٹکرا دے تمہیں، جو اس کے ساتھ تصادم پیدا کر دے، نہایت ہولناک نتائج پیدا کر سکتا ہے۔یہ لاعلمی نہایت خطرناک نتائج پیدا کر سکتی ہے اور فوائد چھپے ہوئے ہوں اور آپ کو علم نہ ہو تو آپ ان سے استفادہ کر سکیں گے۔تو ہمارے لئے منفی پہلو سے بھی اور مثبت سے بھی عٰلِمُ الْغَیْبِ پر غور ضروری ہے اور اس پہ جوں جوں آپ غور

کرتے ہیں نئے نئے پردے اٹھتے ہیں غیب سے اور ان کے پیچھے اور غیب دکھائی دینے لگتا ہے کہ پیچھے بھی کچھ ہے، ایک لامتناہی سفر ہے۔

اب آپ دیکھ لیجئے کہ غیب کے تعلق میں جب تک ہم زندہ ہیں اور باشعور ہیں ہم سمجھتے ہیں سب کچھ دکھائی دے رہا ہے حالانکہ زمانہ بحیثیت زمانہ اکثر غیب میں ڈوبا ہوا ہے۔ ایک انسان کا شعور جب کچھ دیر کے لئے ابھرتا ہے تو اس کی زندگی کے ساتھ ایک عالم وجود میں آتا ہے جیسے مچھلی بعض دفعہ سانس لینے کے لئے ذرا سی اوپر اچھلتی ہے اور پھر ڈوب جاتی ہے۔ وہ چند لمحے جن میں گرمیوں میں خصوصاً جب پانی میں آکسیجن کی کمی ہو جائے تو مچھلیاں سطح پر ابھرتی ہیں اور منہ مار کر واپس چلی جاتی ہیں وہ چند لمحے اس کی زندگی کے ساتھ جو نسبت رکھتے ہیں اس سے بھی زیادہ نسبت ہمارے غیب کے شعور یا عالم وجود کے شعور کو عالم غیب سے ہے۔ ایک ذات ابھرتی ہے اور دراصل اس کے ساتھ ایک جہان ابھرتا ہے اور وہ چند لمحے جو اس نے شعور کے گزارے اس کو اردگرد کچھ دکھائی دیتا ہے اور اس لئے جہانوں کا نام عالمین رکھا گیا۔ عالم کا مطلب ہے جس کو معلوم کیا جائے، جس کا علم ہو۔ تو عالم کا وجود ہی علم سے تعلق رکھتا ہے اور عالم پردہ غیب سے اچھلتا ہے اور غائب ہو جاتا ہے۔ ہر آدمی کے پیدا ہونے کے ساتھ ایک عالم پیدا ہوتا ہے، ہر کیڑے کے پیدا ہونے کے ساتھ ایک عالم پیدا ہوتا ہے اور ہر آدمی کے مرجانے کے ساتھ ایک عالم مرجاتا ہے، ہر کیڑے کے مرجانے کے ساتھ ایک عالم مرجاتا ہے۔

قرآن کریم نے ان مضامین کو مختلف جگہوں پر بہت ہی لطیف انداز میں بیان فرمایا ہے لیکن اگر آپ غور کریں تو آپ کو سمجھ آئے گی ورنہ آیات پڑھ کر آپ چپکے سے آگے گزر جائیں گے۔ جب حضرت آدم کے ایک بیٹے نے دوسرے بیٹے کو قتل کیا تو اس وقت قرآن کریم فرماتا ہے کہ ہم نے یہ لکھ دیا ہے اب بنی اسرائیل پر کہ اس کے بعد یہ سلسلہ یوں سمجھا جائے گا کہ اگر کسی نے ایک شخص کو قتل کیا تو گویا اس نے سب کو قتل کر دیا۔ اب یہ کیسے قتل کر دیا سب کو۔ امر واقعہ یہ ہے کہ آپ اپنے ساتھ ایک کل عالم کا تصور لئے ہوئے ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک اس طرح ہے۔ جب ایک مرتا ہے تو وہ عالم ساتھ مرجاتا ہے اور عالم وہ چیز ہے جو خدا نے پیدا کی ہے اور ہماری ذات کی خاطر، ہمارے شعور کی خاطر وہ آئینے ہیں جن کے رستے سے ہم خدا کو دیکھتے ہیں۔ تو بہت بڑا گناہ ہے کہ اللہ نے ایک

بامقصد ایک منصوبے کے ساتھ ایک چیز کو پیدا فرمایا اور ہر وجود کے ساتھ ایک عالم وابستہ ہے اور اس عالم کو کوئی شخص مار دے تو ایک آدمی نہیں مرا خدا کے بہت سے جلوے جو دیکھے جارہے تھے اب دکھائی نہیں دے رہے۔ اسی بات پر غور کرتے ہوئے بعض فلسفیوں نے یہ بھی کہا کہ دراصل علم ہی ہے اور کچھ بھی نہیں۔ اگر علم نہ ہو تو ہر چیز ختم ہے۔ وہ اس دلیل کو آگے بڑھاتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ دیکھ لو ہم سب جو انسان ہیں ہمارا ایک شعور ہے عالم کا۔ اگر ہم نہ ہوتے تو کوئی شعور باقی رہتا، کوئی نہ رہتا۔ تو جیسا عالم تھا ویسا نہیں۔ اس کا ہونا اس کی حرکات، اس کی مختلف جہتوں سے آپس میں ٹکرانا، یا تعلقات قائم کرنا اور ان کے اثرات پیدا ہونا یہ ساری چیزیں وہ فلسفی کہتے ہیں کہ ہماری سوچ سے تعلق رکھتی ہیں اور ہم نہ ہوں تو کچھ بھی نہیں گویا کل عالم ختم ہو گیا۔

مگر قرآن کریم اس مضمون کو سورہ فاتحہ میں ہی توڑ رہا ہے اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ تم ہو یا نہ ہو، ایک زاویے سے ایک رب ہے جس کا ہر عالم سے تعلق ہے تمہارے مٹنے سے عالم نہیں مٹ سکے گا کیونکہ تمہارے مٹنے سے اگر کوئی عالم مٹتا ہے تو ایک بہت ہی محدود عالم مٹتا ہے۔ ایک ایسا عالم مٹتا ہے جس کے ظاہری کچھ نقوش تمہارے ذہن میں ہیں اس سے زیادہ تمہیں کوئی علم نہیں اس عالم کے ساتھ جو بے انتہاء غیب وابستہ ہیں ان کا تمہیں کوئی تصور نہیں ہے جوں جوں زمانہ آگے بڑھتا ہے عالم کا تصور پھیلتا چلا جا رہا ہے اور جو تصور پھیلتا ہے وہ یہ بتاتا ہے کہ ابھی ہمیں کچھ بھی حاصل نہیں ہوا اور عالم کا ایک لامتناہی طور پر زیادہ حصہ ہے جو ہماری نظر سے غائب ہے۔ تو رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ نے یہ بتا دیا کہ واہمہ نہیں ہے عالم جو خدا نے پیدا کیا ہے اس کو کسی موت سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا کیونکہ جو اس کی کنہ کو جانتا ہے جو اس کے غیب کو جانتا ہے جو اس کے حاضر، اس کے شاہد کو جانتا ہے وہ خدا موجود ہے اور اسی کے تعلق سے وہ عالم قائم ہے تو تمہارے مرنے سے کیسے مٹ سکتا ہے مگر تم جب ایک دوسرے کو مارتے ہو تو انسانی سطح پر جو عالم ابھرتے ہیں وہ ایک ابھرے ہوئے عالم کو ڈبو دیتے ہیں اور چونکہ تم مالک نہیں ہو، رب نہیں ہو اس لئے جواب دہ ہو گے۔

تو درحقیقت یہ زندگی کے جتنے ادوار ہیں یہ سب نئے عالم لے کر آتے ہیں۔ ایک آج کی نسل کو اگر آپ سو سال دے لیں جیسا کہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا کہ آج سے سو سال تک کوئی بھی وہ نہیں رہے گا جو آج یہاں ہے، سب فنا ہو جائیں گے (مسلم کتاب الفضائل الصحابہ) یعنی اس میں ایک

یہ بھی پیشگوئی تھی کہ جو بچہ آج پیدا ہوگا وہ سو سال سے زیادہ عمر نہیں پائے گا۔ جو اس سے پہلے تھے وہ پا سکتے تھے چنانچہ بعض صحابہ کی عمر سو سے اوپر ہوئی لیکن اس فرمان سے پہلے پیدا ہو چکے تھے۔ اب سو سال میں ایک پورا عالم بدل گیا۔ یعنی عالم ایسا بدلا کہ تمام جو عالم کو سمجھنے والے تھے ہر ایک کی سوچ میں ایک عالم تھا اب سب کا مجموعہ بدل گیا۔ عالم کے سمندر کا قطرہ قطرہ بدل گیا اور اس کے باوجود عالم اپنی جگہ قائم تھا لیکن اس کی سوچ بدل گئی، اس کی کیفیات بدل گئیں اور ان میں پھر ایسے بھی لوگ تھے جو باشعور تھے جو اللہ سے تعلق رکھتے تھے ان کی سوچوں میں عالم کا کچھ اور ہی مطلب تھا، کچھ دہریہ اور دنیا دار اور بگڑے ہوئے اہل کتاب بھی تھے جن کے ہاں عالم کی کوئی اور تصویر تھی تو حقیقت میں ہر زمانے کا انسان ایک عالم کی سوچ لے کر پیدا ہوتا ہے، ایک عالم کی سوچ لے کر مر جاتا ہے اور وہ خود غیب سے آتا ہے اور غیب میں داخل ہو جاتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ جس کا آغاز غیب ہو، جس کا انجام غیب ہو، وہ غیب پر ہی غور نہ کرے؟ آخر آیا کہاں سے اور کیوں آیا ہے اور کدھر جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ (البقرہ: 157) کہ جس غیب سے تم ابھرے ہو وہ عدم نہیں تھا بلکہ اس سے پہلے اللہ موجود تھا اور اللہ کی قدرت سے تم وجود میں آئے ہو اس کی طاقتیں لے کر اس کے امر کے ساتھ، جتنی تم کو عطا کی گئیں ان کو لے کر آئے ہو لیکن پھر آگے جواب دہی ہے اور تم نے واپس اسی غیب میں ڈوبنا ہے جس غیب سے ابھرے ہو اور وہاں وہی خدا موجود ہوگا، تو تم وقتی طور پر غیب سے شاہد کی دنیا میں ابھرے ہو لیکن پھر تم نے غیب کی دنیا میں ڈوب جانا ہے اور تمہارا رحمان خدا بحیثیت رحیم تمہارا منتظر ہو گا۔ اب جو جوابدہی ہے وہ دراصل رحیم کے سامنے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں جو فرمایا ہے عٰلِمُ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ ساتھ فرمایا هُوَ الرَّحۡمٰنُ الرَّحِيۡمُ وہ رحمان بھی ہے اور رحیم بھی ہے۔

رحمان کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جہاں جہاں قلم اٹھایا ہے یا لب کشائی فرمائی وہاں اس مضمون پر زور دیا کہ رحمان وہ ذات ہے جو درحقیقت بن مانگے دینے والی یعنی عدم سے اس طرح پیدا کرنے والی کہ اس کا مطالبہ کرنے والا ابھی تھا ہی کچھ نہیں اور کامل طور پر غیب پر رحمان کی حکمرانی ہے۔ غیب سے جو رونما ہوتا ہے وہ غیب کے سہارے، اس کے امر سے رونما ہوتا ہے۔ رحمان کے سہارے اور رحمان کے امر سے رونما ہوتا ہے۔ اس کے بعد رحمانیت ایک اور

رنگ میں پھر ساتھ دیتی ہے اور وہ حاضر کی دنیا میں رحیمیت بن جاتی ہے۔ رحمان تو وہ جس نے سب کچھ دے دیا اس کے بعد حاضر دنیا میں اس کے اور بھی معنے ہیں میں اس وقت اس کی تفصیل میں نہیں جاؤں گا۔ میں یہ بتانا چاہتا ہوں اس تعلق میں یہ سمجھ لیں کہ غیب ہے جہاں سے آپ ابھرے۔ آپ نے کب مطالبہ کیا تھا کہ اے خدا مجھے پیدا کر اور اے خدا میری یہ یہ ضرورتیں ہیں یہ پیدا کرنا اور جب میں اور میری جنس ترقی کر جائیں تو اس زمانے کی ضرورتیں بھی ہمیں مہیا ہونا شروع ہو جائیں، جب تک ہماری عقل تیل کا استعمال نہ جانتی ہو تیل بے شک نظروں سے اوجھل رہے۔ جب ایسی مشینیں سوچنے کی طاقت پیدا ہو جائے اور بنانے کی طاقت پیدا ہو جائے جو تیل کے بغیر چل ہی نہیں سکتیں تو پھر ہمیں تیل بھی عطا کر دینا اور پھر اے خدا جب خطرہ ہو کہ تیل ختم ہونے والا ہے اور انسانی سوچ بھی ایسی مشین ایجاد کر لے یا ان کی صلاحیت رکھتی ہو کہ اٹامک انرجی سے فائدہ اٹھا سکے تو پھر اس پر ایٹم کے راز روشن کرنا اور دھاتیں مہیا کرنا جو ایٹم کی انرجی کو ترقی دینے کے لئے ضروری ہے اور زمین پھر ان بھاری دھاتوں کو اس کے لئے اچھال دے، کیا یہ سب مطالبے آپ میں سے کسی نے کئے تھے؟ ہم میں سے کسی نے کئے تھے؟ جو ہے ہی نہیں وہ غیب میں کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ تو ایسا غیب ہے کہ اپنے باپ کی شادی سے پہلے وہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ میں تھا تو کہاں تھا؟ کیا تھا میرا؟ تو کائنات میں زمین کے پیدا ہونے سے پہلے وہ کیا سوچ سکتا تھا؟ کیا مانگ سکتا تھا لیکن رحمان خدا ہے جس کی غیب پر کامل راج دہانی ہے۔ اس پہلو سے بھی اس کا توحید سے بڑا گہرا تعلق ہے اول تو یہ کہ ظاہر کی عبادت نہیں کرنی۔ اصل غیب ہے غیب کی عبادت کرو گے تو پھر تمہیں حقیقت میں توحید کے معنے سمجھ آئیں گے۔ غیب میں جو ہے اس کی عبادت کرو اور خدا کی ذات کی شناخت کوئی انسان خود کر ہی نہیں سکتا مگر جو عرفان اس نے ہمیں بخشا ہے اس سے یہ بات تو قطعی طور پر ثابت ہے کہ خدا کی ذات کا عرفان جتنا عطا بھی کیا گیا ہے اس کا کروڑواں حصہ بھی وہ لوگ نہیں سمجھتے جن کو عطا کیا گیا ہے اور اکثر غیب ہی غیب ہیں۔ تو ذات کا سفر کرنا ہو تو غیب کو اہمیت ہے اور غیب میں ڈوبنے اور غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر دوسرے پہلوؤں سے اپنے آغاز اور اپنے انجام کی باتیں سوچیں تب غیب پر غور کرنے کی ضرورت ہے اس کے بغیر آپ کو درحقیقت غیب کی سمجھ نہیں آئے گی اور جب صفت رحمانیت کے ساتھ غیب کا تعلق سوچتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ عالم غیب پر اس کی بلاشرکت غیرے راج دہانی ہے کوئی

اور نہیں جو غیب کا علم رکھتا ہو۔اس کے سوا کوئی اور نہیں جو غیب میں کچھ عطا فرما سکتا ہو، کچھ پیدا کرسکتا ہو ہر پہلو سے غیب کا مضمون آپ کو لامتناہی جہانوں میں لے چلتا ہے جس پر غور کریں تو عجیب و غریب، نئے سے نئے مطالب آپ کے سامنے پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں۔مختصراً اتنا سردست میں یہ بات کہہ کر رحیمیت سے اب اس کا تعلق جوڑتا ہوں۔

رحیمیت کا مطلب ہے، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو بہت ہی لطیف معنے اور بار بار کئے ہیں اتنے کہ ذہن میں خوب پیوست ہو جائیں وہ یہ ہیں کہ وہ جو اعمال کی جزاء مترتب کرنے والا ہے۔آپ نے رحمٰن خدا سے جو کچھ پایا اس کا حساب دینا ہوگا اور اگر اس کو استعمال کر کے آپ رحمان خدا کے قریب ہوتے ہیں تو ہر اس قدم کی جو خدا رحمان کی سمت میں اٹھتا ہے اس کی جزا رحیمیت دیتی ہے۔اب ایک نئی عطا ہے یہ۔رحمانیت سے فائدہ اٹھانا زیادہ سے زیادہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اللہ آپ کو شکر گزاروں میں لکھ لے کہ ہاں تم نے شکر گزاری کا حق ادا کیا، پتا کر لیا کہ ہاں کوئی تھا دینے والا جو تمہارے مانگے بغیر تمہیں وہ کچھ عطا کر گیا ہے کہ تمہاری ساری نسلیں بھی اس کو استعمال کرتی رہیں اور آئندہ ظاہر ہونے والی چیزوں سے فائدہ اٹھاتی رہیں تب بھی وہ رحمانیت نے جو خزانے بھر دیئے ہیں ان کو ختم نہیں کرسکتیں، یہی نتیجہ نکلتا ہے۔جزا کہاں سے آگئی اس میں۔اس میں تو کوئی جزا والی بات نہیں ہے۔آپ کسی کو کوئی کھانا تحفۃً دیں مرغ روسٹ دیں تو کہیں ہاں میں نے پہچان لیا ہے مرغا ہے یہ۔تو آپ کہیں جزاک اللہ تم نے کمال کر دی ہے خوب پہچانا، یہ تو نہیں ہوسکتا۔مگر جو رحمان سے تعلق جوڑتا ہے بعض دفعہ ایک سادہ آدمی کی اس بات پر بھی خوش ہو کے اس کو جزا دیتا ہے کہ اچھا تم نے کمال کر دیا واقعۃً میں تمہیں ایک اور بھی چیز دیتا ہوں انسانوں میں تو شاذ کے طور پر یہ صفت دکھائی دے گی مگر رحیمیت ہر بار ہم سے یہی سلوک کرتی ہے۔آپ رحمانیت کو پہچانیں اور اس کے حقوق ادا کرنے کی اس طرح کوشش کریں کہ جو کچھ خدا نے بن مانگے آپ کو دیا ہے اس سے لذت یاب ہوتے وقت اس کو یاد کر لیا کریں تو ہر قدم پر رحیمیت جزا لے کر آپ کے ساتھ کھڑی ہوگی اور اگر آپ نہیں پہچانیں گے تو سزا آپ کے اس فعل سے از خود ظاہر ہوگی کیونکہ اپنی بھلائی کو جو نہ جانتا ہو وہ اس سے محروم رہ جاتا ہے۔بے انتہاء خزائن ہیں جو پردہ غیب میں ہیں، جو رحمانیت کے تعلق میں ہمارے لئے اس صورت میں موجود ہیں کہ ہم اگر ہاتھ بڑھائیں اور اللہ توفیق دے تو وہاں تک

پہنچ سکتے ہیں۔

انسانی تاریخ بتارہی ہے جب بھی انسان نے ضرورت کے وقت ان سہولتوں میں ہاتھ بڑھایا جہاں خدا نے خزانے رکھے تھے تو وہاں تک اس کی رسائی ہوئی۔ تقدیر الٰہی کو، اذن الٰہی کو دخل تو ہے اور آخری فیصلہ وہی کرتی ہے لیکن بڑھانے والا ہاتھ بھی ضرور بڑھنا چاہئے اس کے بغیر اللہ تعالیٰ رحیمیت کا جلوہ نہیں دکھاتا۔ رحمانیت کا جلوہ تو اس کے بغیر بھی ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ اب ہمیں ہر لمحہ رحمانیت کی ان معنوں میں ضرورت ہے کہ آکسیجن خدا نے فضا میں رکھ دی ہے اور متناسب مقدار میں رکھی ہے اگر زیادہ ہوتی تو ہمیں ہلاک کر دیتی۔ وہ آکسیجن سوچے بغیر ہر وقت استعمال کر رہے ہیں ہاتھ بڑھانے کی بھی ضرورت نہیں ہے اور بعض ہاتھ طبعی تقاضوں پر بڑھتے ہیں سوچوں سے کوئی تعلق نہیں۔ پیاسے کا ہاتھ پانی کی طرف بڑھے گا، بکری کا منہ بھوکی ہو تو گھاس کی طرف جائے گا، بچے کا منہ ماں کے دودھ کی طرف اٹھتا ہے اور جانوروں کے بچوں کا بھی یہی حال ہے۔ تو سارے رحمانیت کے تقاضے ہیں جن میں سوچوں کا کوئی دخل نہیں۔ مگر جب انسان کی سطح پر پہنچ کر رحمانیت سے باشعور تعلق قائم ہوتا ہے اور ایک سوچ بنتی ہے اور اس کے نتیجے میں تقاضے پیدا ہوتے ہیں پھر رحمانیت وہ جلوہ دکھاتی ہے جو حاضر جلوہ ہے، یہ شہادت کا جلوہ ہے۔

عالم شہادۃ میں ہر انسان روزانہ یہ استطاعت رکھتا ہے، خدا کی دی ہوئی استطاعت کے ساتھ ظاہر بات ہے، یہ استطاعت رکھتا ہے کہ جب بھی کوئی کام ایسا کرے جو رحمانیت سے متصادم نہ ہو تو ضرور رحیمیت کا جلوہ دیکھے اور جس طرح رحمانیت کافر اور مومن میں فرق نہیں کرتی اور اس پہلو سے رحیمیت بھی کافر اور مومن میں فرق نہیں کرتی کیونکہ رحمانیت ہی کی ایک صورت ہے۔ رحیمیت جو عالم شہادۃ سے خصوصیت سے تعلق رکھتی ہے۔ اب آپ یہ مغربی دنیا کے سائنس دانوں کو دیکھیں انہوں نے کیا کیا ہے، کون سا نیا تیر چلایا ہے۔ جو کچھ کیا ہے صرف یہ ہے کہ اللہ کی رحمانیت کے جلوؤں کو جہاں پہچانا وہاں ان کی پیروی کی اور ان تقاضوں کو پورا کیا جو وہ جلوے تقاضے کرتے تھے۔

ایک بچے نے بھاپ کے ذریعے ڈھکنے کو اٹھتے ہوئے دیکھا، اب عام آدمی سوچے گا کہ اس میں کون سے رحمانیت ہے لیکن بھاپ میں جو طاقتیں پوشیدہ تھیں ان تک اس وقت تک انسان کی نظر نہیں تھی۔ بھاپ اٹھتی تھی ہر جگہ سے کبھی دھند بن کر اٹھ رہی ہے، کبھی چیزیں گرم ہو رہی ہیں، پانی ابل

رہے ہیں اور بھاپ اٹھ رہی ہے، کسی کو کیا پتا تھا کہ رحمان خدا وہ ہے جس نے ہر چیز کے اندر اس کے غیب میں خزانے رکھے ہوئے ہیں اور یہ غیب پر ایمان ہو تو ان خزانوں کی تلاش زیادہ باشعور طور پر ہوگی لیکن اگر تلاش نہ بھی ہو، غیب پر ایمان نہ بھی ہو، تو وہ آنکھیں جو دیکھتی ہیں اور سچائی کے ساتھ جو دیکھتی ہیں اس کی پیروی کرتی ہیں، رحیمیت ان کو محروم نہیں رکھتی۔ پس اس بچے کو خیال آیا کہ چلو اس کو بند کرتے ہیں یہ بھاپ جو اٹھ رہی ہے تو اس کا ڈھکنا زور سے بند کریں اس نے وہ کپڑا اوپڑا رکھ کے کچھ، تا کہ ہاتھ نہ جلے دبایا لیکن وہ زور سے پھر باہر نکل گئی۔ پھر اس نے کہا اچھا اتنی طاقتور ہے میں اس کے اوپر بیٹھتا ہوں تو کپڑا وغیرہ رکھ کر اوپر بیٹھا تو کچھ دیر کے بعد اس کو اچھال اچھال کر بھاپ پھر بھی نکلنے لگ گئی۔ اس نے اوپر پتھر رکھ دیئے، جو کچھ اس کا بس چلا اس نے کر دیکھا مگر وہ بھاپ نکلنا بند نہ ہوئی اس پر اس کو انجن کا خیال آیا اور پھر سائنس دانوں نے اس علم سے کہ بھاپ میں تو بہت طاقتیں پوشیدہ تھیں اس کا استعمال کرنا شروع کیا اور ریلوے انجن اس سے ایجاد ہوا۔

اب آپ دیکھیں ایک لمبے عرصے تک اسی بنا پر کہ خدا کی رحمانیت کو پہچانا اور اس کے عقلی تقاضے پورے کئے رحیمیت نے ساتھ دیا اور نہیں چھوڑ رہی۔ ہر انجن جو روزانہ روانہ ہوتا ہے کہیں سے، اس کا ہر لمحہ جو چھک چھک، چھک چھک بھاپ کی آواز آ رہی ہوتی ہے رحیمیت کے گیت گا رہا ہوتا ہے اور رحیمیت میں یہ دائمی ساتھ کے معنے پائے جاتے ہیں، وفا کے معنے پائے جاتے ہیں، ایک چیز ایسی آئے جو ساتھ لگ جائے اور پھر چھوڑے نہیں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مضمون پر بہت ہی پیارے انداز میں مختلف پہلوؤں سے روشنی ڈالی ہے اور خلاصہ یہی کہ رحیمیت دراصل وہ عالم شہادہ میں رحمانیت کی جلوہ گری کا ایک انداز ہے۔ ہے رحمانیت ہی، مگر وہ جو آپ کی کچھ کوشش، آپ کی نیت، آپ کے کچھ عمل سے تعلق باندھ دیتی ہے اور یہ فیصلہ کرتی ہے کہ ضرور جزا دینی ہے اور وہ لوگ جنہوں نے گرمی کو، آگ کو دیکھا اس کی طاقت کو بھی محسوس کیا۔ بھاپ کو دیکھا، اس کی طاقت کو کسی حد تک محسوس کیا لیکن غلط استعمال کی باتیں سوچیں انہوں نے گھر پھونکے، بچوں کو ابلتے ہوئے پانیوں سے جلا دیا، انبیاء کو آگ میں ڈالنے کی کوشش کی اور یہاں انہوں نے رحیمیت سے یا رحمانیت سے اس طرح ٹکر لی کہ اس کی غلط طرف آ گئے اور وہی آگ ہے جو پھر ان کو بھسم کر گئی۔ وہی ابلتے ہوئے پانی تھے جو ان کی چھاتیوں میں چھالے ڈال گئے اور اس طرح رحیمیت

نے منفی اثر بھی دکھایا اور جزا اور سزا کا ایک مضمون مترتب ہوا۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وہ غیب کا بھی عالم ہے اور شہادہ کا بھی عالم ہے اور یاد رکھو تم غیب سے ابھرے تھے اور شہادہ میں آگئے ہو۔ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ وہ رحمان بھی ہے جس نے تمہیں غیب سے اچھال کر عالم شہادہ میں ڈال دیا، نکال دیا اور عالم شہادہ میں تمہیں جس طرح ستارے اچھالتے ہیں تمہیں اچھال دیا اور پھر یاد رکھنا وہ رحیم ہے اور رحیمیت کا مضمون آگے جاری رہے گا، یہاں ختم نہیں ہو جائے گا۔ پھر جب تم غیب میں جاؤ گے تو پھر ایک رحیم خدا تمہارا حساب لینے والا وہاں کھڑا ہوگا اور اس کو مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ فرمایا ہے۔ تو غیب سے نکلے ہو اور غیب میں پھر اچھال دیئے جاؤ گے اور اس میں غرق ہو کر ہمیشہ کے لئے خود غائب نہیں ہو سکتے۔ جس کو خدا نے غیب سے اٹھا دیا ہے وہ اپنے مقصد پورے کئے بغیر پھر کبھی غائب نہیں ہو سکتا اور نہ خدا اسے غائب ہونے دے گا یہاں تک کہ رحیمیت اس کے ساتھ ساتھ چلے گی۔ رحیمیت سے تعلق ٹوٹے گا تو سزا پائے گا، رحیمیت سے تعلق قائم رکھے گا تو جزا پائے گا اور مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ایک ایک ذرے کا حساب دینے والا موجود ہوگا اور وہاں سے پھر ایک نیا عالم غیب شروع ہو جاتا ہے جس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اس عالم کے متعلق فرمایا کہ کوئی آنکھ نہیں ہے جس نے دیکھا ہو، کوئی کان نہیں جس نے سنا ہو ایک اور عالم غیب بن گیا پھر۔ تو ایک غیب سے اچھالے گئے، ایک شہادہ میں داخل ہوئے کچھ شہادہ سے اچھالے گئے غیب میں ڈوبے اور ایک اور شہادہ میں داخل ہوں گے جو اس وقت پردہ غیب میں ہے۔ تو خدا تعالیٰ کی صفات پر غور کرنے سے انسان کو اپنی کنہ، اپنی وجہ پیدائش کا علم ہوتا ہے، اپنی زندگی کے مقاصد کا علم ہوتا ہے اور تعلق باللہ کا مضمون روشن ہوتا ہے۔ آپ دس کروڑ دفعہ بھی پڑھیں عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اگر غور نہیں کرتے تو اس ذکر کو حقیقت میں ذکر نہیں کہا جا سکتا۔ ذکر وہ ہے جو تبدیلیاں انسان کے اندر پیدا کرتا ہے۔ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ (الزمر: 24) ایسا ذکر، ایسی تلاوت، جس سے انسان کے جسم پہ لرزہ طاری ہو جائے، یہ ذکر خالی زبان سے وہ اثر دکھا ہی نہیں سکتا۔

پس صفات باری تعالیٰ پر غور کرنا اور کرتے رہنا ہمارے لئے بے انتہا ضروری ہے اور اس پر غور کے نتیجے میں جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا درحقیقت ہم اپنی جنت بنا رہے ہوں گے کیونکہ مرنے

کے بعد جس عالمِ غیب کی میں نے بات کی ہے اس عالمِ غیب میں خدا کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ہر غیر اللہ وہاں سے باہر ہے۔ جنت میں شیطان کو جو داخل ہونے کی اجازت نہیں یا کسی غیر اللہ کو اجازت نہیں اس کا ایک یہ بھی مطلب ہے کہ دراصل جنت خدا کے وجود ہی سے بنتی ہے۔ اگر غیر اللہ کا وجود داخل ہو تو باقی جنت کو بھی وہ جہنم بنا دے گا۔ اگر خدا کے سوا کوئی اور تصور پیدا ہو تو ساری کائنات میں فساد برپا ہو جائے گا۔ یہ وہی مضمون ہے جو دراصل جنت کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ پس آپ نے اپنی جنت خود بنانی ہے اور یہ جنت اللہ کے اسماء سے بنے گی اور اسماء الٰہی پر غور کے نتیجے میں آپ کے اندر جو روحانی تبدیلیاں پیدا ہوں گی اور بعض اوقات ایسا ہوگا جیسے زلزلہ طاری ہو گیا ہے۔ یہ وہ چیزیں ہیں جو ذکر کہلاتی ہیں اور یہی وہ ذکر ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (العنکبوت:۴۶)۔ عبادت تو لازم ہے جو عبادت کرے گا اگر وہ تقاضے ظاہری پورے کرتا ہے تو اس کی عبادت ہو گئی لیکن بظاہر تو یوں لگتا ہے کہ عبادت سب سے افضل ہے یعنی ظاہری عبادت جس کو صلوٰۃ کہا جاتا ہے اور اللہ فرما رہا ہے وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ اللہ کا ذکر جس کے لئے کسی خاص طرز کی ضرورت نہیں ہے یعنی فرض کے علاوہ ہے وہ ذکر جو مستقل جاری ہے اور عبادت میں بھی جب تک ذکر داخل نہ ہو عبادت زندہ نہیں ہو سکتی۔ تو وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ کا مطلب یہ ہے کہ اصل سب کچھ، جو کچھ بھی ہے وہ ذکر میں ہے جیسے اللہ اکبر ہم کہتے ہیں تو استعمال تو کرتے ہیں ذرا ہیجان پیدا کرنے کے لئے نعرہ بازی کے شوق میں لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ اللہ اکبر اور وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ دراصل ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ اس کی کبریائی کو سمجھنے کے لئے اس کی صفات پر غور ضروری ہے اور جوں جوں ان صفات پر غور میں آپ آگے بڑھتے ہیں آپ کے اندر سے ایک خدا کے وجود کا تصور ابھرتا ہے اور آپ کا خدا اتنا ہی ہے کسی کا کم خدا ہے کسی کا زیادہ ہے اور بظاہر سب کا ہے۔

تو یہ جو خدا کی صفات میں یہ مضمون ہوتا ہے کہ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ (البقرہ:187) میں قریب بھی ہوں اور پھر یہ کہ میں سب سے زیادہ دور بھی ہوں، اتنا بلند تر ہوں کہ وہاں تک کسی کا تصور بھی نہیں پہنچ سکتا۔ ظاہر بھی ہے اور باطن بھی ہے، دکھائی بھی نہیں دیتا۔ قرآن کریم ایسی کتاب ہے جو کتاب مبین ہے، کھلی کھلی ہے اور ایسی کتاب ہے جو ''مکنون'' ہے، جو چھپی ہوئی ہے، اس تک کوئی پہنچ ہی نہیں سکتا۔ تو سارے مضامین میں دراصل تضادات نہیں ہیں بلکہ مختلف پہلو ہیں۔

پس خدا تعالیٰ ایک شخص کے لئے ایک چیز سے ایک وجود کے طور پر اس سے تعلق جوڑتا ہے مگر اتنا ہی جوڑتا ہے جتنا وہ چاہتا ہے اور جس صفت میں آپ اپنا تعلق بڑھائیں گے اس صفت کے اعتبار سے خدا آپ پر مزید روشن ہوتا چلا جائے گا اور بلند تر اور بڑا ہوتا چلا جائے گا عظیم تر ہوتا چلا جائے گا۔ پھر ایک اور صفت پر آپ غور کریں تو اسی پہلو سے خدا تعالیٰ نئے جلووں کے ساتھ آپ کو پھیلتا ہوا اور عظمتیں اختیار کرتا ہوا دکھائی دے گا۔ اتنا ہی ہے جو ہے وہ، جس کی کنہہ کو ہم نہیں جانتے مگر ہر انسان کے لئے اتنا ہو جاتا ہے جتنا اس میں طاقت ہے جتنا اس میں استطاعت ہے۔ تو ہر انسان کا ظاہری عالم بھی الگ ہے اور الٰہی عالم بھی الگ الگ بنتا ہے۔ ایک خدا ہوتے ہوئے بھی درحقیقت وہ ہر انسان کے ایک الگ خدا کے طور پر اس میں ظاہر ہو رہا ہے لیکن ہے ایک ہی۔ تو یہ کوئی فلسفی کی باتیں نہیں ہیں یہ وہ حقائق ہیں جن کو قرآن کریم نے بیان فرمایا اور حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے مختلف نصیحتوں اور مثالوں میں ہم پر روشن فرمایا ہے۔ عٰلِمُ الْغَيْبِ پر ایمان لانا اس لئے بھی ضروری ہے کہ اس سے انسان کو اپنے مستقبل پر، اپنی کوششوں پر یقین پیدا ہوتا ہے۔ اگر انسان کو پتا ہو کہ جو کچھ میرے سامنے ہے بس وہی کچھ ہے تو مزید جستجو کے لئے توجہ ہی پیدا نہیں ہو سکتی۔ یہ لوگ جن کو آپ بظاہر بے ایمان سمجھتے ہیں ان کو اگر فائدہ پہنچا ہے تو لاشعوری طور پر یہ عٰلِمُ الْغَيْبِ بننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ یقین ہو چکا ہے کہ غیب میں بہت کچھ ہے اور اتنے سے خدا کو جان کر جو عٰلِمُ الْغَيْبِ ہے اس کے ایک حصے سے متعارف ہو کر انہوں نے اتنے خزانے پالئے ہیں کہ وہ لامتناہی نظر آتے ہیں، ساری دنیا پر حکومت کر گئے ہیں، تمام دنیا کی دولتیں سمیٹ چکے ہیں۔

اور اس مضمون کو قرآن کریم انہی معنوں میں بیان فرما رہا ہے کہ غیب کا علم دراصل خزائن کا علم ہے تو اس غیب کے علم کو کوئی معمولی بات نہ سمجھو۔ اب آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ (الاعراف: 189) تو ان سے کہہ دے کہ ذاتی طور پر تو میں اپنے لئے نہ کوئی ذرہ بھر بھی فائدے کا سامان رکھتا ہوں نہ نقصان کی طاقت رکھتا ہوں مگر وہی جتنا خدا مجھے عطا فرماتا ہے اور اگر تم غیب کی بات کرتے ہو تو وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ اگر میں غیب کا علم رکھتا تو بے شمار دولت اکٹھی کر سکتا تھا۔ اب غیب کا دولت اور خزانے سے کیا تعلق ہے۔ یہ ایک مضمون ہے جس کے متعلق اب تو وقت

نہیں مگر آئندہ پھر انشاء اللہ جب میں شروع کروں گا تو زیادہ نسبتاً تفصیل سے بتاؤں گا۔

اسی مضمون کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ (الانعام: 51) تو کہہ دے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ اور میں غیب کا علم بھی نہیں رکھتا۔ تو حقیقت میں غیب کا علم اور خزائن ایک ہی چیز کے دو نام ہیں اور مغربی دنیا کے سائنس دانوں نے جتنی جستجو کی ہے غیب میں کی ہے اور جتنا وہ غیب زیادہ گہرا تھا اتنا ہی ان کی جستجو نے ان کے لئے زیادہ فوائد مہیا کر دیئے ہیں۔ ایک چیز کا دنیا میں کسی کو علم نہ ہو، اب گنجے پن کا علاج ہے یہ غیب میں ہے، اگر آپ کو کامل یقین ہو کہ خدا کے ہاں ہر بیماری کی ایک دوا ہے اور گنجے پن کا ضرور علاج ہے اور آپ غیب میں جستجو کریں مگر اس کے قوانین کے تابع جتنا بڑا غیب ہے اتنا ہی اس کو دریافت کرنے والا کھوجی زیادہ امیر ہو جائے گا اور یہی وجہ ہے کہ انڈسٹریل Secret کے لئے بے انتہا احتیاطیں برتی جاتی ہیں۔ ان کے سائنس دان غیب کی خبر معلوم کرتے ہیں اور اس کو خوب چھپا کے رکھتے ہیں، ان کو پتا ہے دولت ہی دولت ہے۔ یہ راز پتا لگ گیا باقیوں کو تو وہ سارے حصہ پا جائیں گے۔

تو غیب کا علم ہی خزائن کا علم ہے۔ اس بات سے محرومی آپ کو خزائن سے محروم رکھے گی۔ پس اللہ تعالیٰ کی صفات پر غور کرنا کوئی صوفیانہ، کوئی ذہنی چسکے نہیں ہیں، یہ زندگی کی اشد ترین ضرورت ہے۔ روحانی بقاء اس کے بغیر حقیقت میں ممکن ہی نہیں ہے اگر ہے تو معمولی سی زندگی ہے۔ ساری زندگی کی منازل اوپر پڑی ہوئی ہیں۔ پس اس پہلو سے جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے ساری عمر تو اب صرف اس طرز پر بیان نہیں ہو سکتی بات لیکن جو بھی بات بیان ہو گی آئندہ کسی اور حوالے سے بھی انشاء اللہ اس میں دراصل صفات الٰہی کی جھلکیوں کے بغیر جان ہی نہیں پڑ سکتی۔ خلاصہ زندگی کا اور روحانی زندگی کا صفات الٰہی ہیں۔ پس باقی انشاء اللہ آئندہ خطبے میں خدا تعالیٰ نے جو توفیق عطا فرمائی۔